لا تشریق ، ولا جمعة ، الا فی مصر جامع (الحدیث)

اوثق العریٰ

فی تحقیق

الجمعۃ فی القریٰ

جس میں احادیثِ صحیحہ، آثارِ موقوفہ اور نقولِ معتبرہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز شہر، قصبے اور بڑے گاؤں ہی میں صحیح ہوتی ہے، ہر قسم کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ درست نہیں ہے۔

تصنیف لطیف

قدوۃ الافاضل، عمدۃ الاماثل، محدث العصر، فقیہ الدہر، عالم ربانی

قطب ارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی **قدس سرہٗ**

تحقیق وتعلیق

جناب مولانا مفتی خورشید انور صاحب

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

زیر انتظام

بدرالدین اجمل علی القاسمی، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

سلسلۂ مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی (۳۱)

نام کتاب	:	اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ
تصنیف	:	قطب ارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ
تحقیق وتعلیق	:	جناب مولانا مفتی خورشید انور صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
سن اشاعت	:	ذیقعدہ، ۱۴۲۵ھ
صفحات	:	۴۰
تعداد اشاعت		بارِ اول، گیارہ سو
کمپیوٹر کتابت		محمد عیاض قاسمی

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فون: 01336-222429

الحمدللّٰہ و کفٰی ، وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ؛ اما بعد!

اسلام وہ دین حق ہے جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے، جس پر آپؐ نے اور آپؐ کی رہنمائی میں صحابہ کرام نے عمل کیا، اور جس کی صبح قیامت تک حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔ یہ دین حق قرآنِ مجید، احادیث شریفہ، صحابۂ کرامؓ کے عمل اور ائمۂ مجتہدین کی تشریحات کی صورت میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

امت میں نظریاتی اختلاف تو بلاشبہ نقصان دہ ہے؛ مگر فروعی مسائل میں اجتہادی اختلاف نہ صرف ایک ناگزیر اور فطری چیز ہے؛ بلکہ بارشادِ نبویؐ[1] یہ امت کے لئے ایک رحمت ہے؛ بشرطیکہ اس میں شدت کا نقطہ لگا کر اسے زحمت میں تبدیل نہ کر لیا جائے۔

جن اکابرِ امت کو ائمۂ اجتہاد تسلیم کر لیا گیا ہے، وہ نہ صرف قرآن وحدیث کے ماہر تھے؛ بلکہ بعد کی پوری اسلامی تاریخ میں پوری امت سے بڑھ کر شریعت کے نکتہ شناس تھے، علم وفضل، دیانت وامانت، فہم وبصیرت، زہد وتقویٰ اور خدا شناسی میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص امت میں پیدا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم ومعرفت اور صاحب کشف وکرامت اکابر اولیاء اللہ مثلاً حضرت پیرانِ پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ محی الدین بن عربیؒ، خواجہ علی ہجویریؒ اور

[1] اختلاف اصحابی رحمة لکم وفی روایة اختلاف امتی رحمة اخرجه الطبرانی والدیلمی وفیه ضعف، کشف الخفاء، ج۱،ص۶۶۔

مجدد الف ثانیؒ سب کے سب ان ائمۂ مجتہدین کے پیروکار تھے، یہ ائمۂ مجتہدین کے علو مرتبہ کی واضح دلیل ہے۔

فروعی مسائل کا اختلاف اجتہادی اختلاف ہے، ان مسائل کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو، ان میں شدت روا نہیں ہے۔

مگر المیہ یہ ہے کہ اہل حدیث حضرات کی طرف سے کبھی کبھی فروعی مسائل بڑی شدت سے اٹھائے جاتے ہیں، اور ان کو معرکۂ نزاع وجدال بنایا جاتا ہے۔

ایسے ہی فروعی مسائل میں ایک مسئلہ **جمعہ فی القریٰ** کا مسئلہ ہے، جس کو معرکۃ الآراء مسئلہ بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ اب سے کم وبیش ایک صدی پہلے کی بات ہے، شاملی ضلع مظفرنگر کے جناب قاضی علیم الدین صاحب کا بیان ہے کہ بلوہ ضلع مظفرنگر میں ایک صاحب تشریف لائے، اور یہ مسئلہ بتایا کہ ہر چھوٹے بڑے گاؤں میں جمعہ فرض ہے، اور اس بات پر زور دیا کہ بلوہ گاؤں میں جمعہ ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ یہی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور غیر مقلدین کی طرف سے ایک فتویٰ پیش کیا۔ اس نئے مسئلہ سے بلوہ میں اختلاف اور بحث ومباحثہ، بلکہ باہم نزاع وجدال تک کی نوبت پہنچ گئی۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی **ادام اللہ ظلال جلالہ** کی طرف رجوع کیا جائے اور حضرتِ والا کا جو فتویٰ ہو اس پر سب لوگ عمل کریں، کسی کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہو، کیونکہ حضرت والا کا فتویٰ قرآن وحدیث اور فقہ کے عین مطابق ہوگا۔

حضرت اقدسؒ نے اپنے علمی مزاج کے مطابق استفتاء کے جواب میں جو تحقیقی فتویٰ تحریر فرمایا، اسی کا نام **اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعة فی القریٰ** ہے، فتویٰ تحقیقات کا انمول خزینہ ہے، اس لئے قابل دید ہے۔

کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ:

(۱) سب سے پہلے شائع کنندہ جناب قاضی علیم الدین صاحب کا فتوی سے

متعلق تقریبی بیان ہے۔

(۲) پھر گاؤں میں جمعہ کی فرضیت کے متعلق سوال ہے۔

(۳) اس کے بعد غیر مقلدین حضرات کی طرف سے جواب ہے۔

(۴) اور آخر میں حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کا مفصل و محقق فتویٰ ہے۔

فتویٰ کیا ہے؟

نادر علمی تحقیقات کا انمول خزینہ، جس میں قرآن، حدیث، آثارِ صحابہؓ، شروح حدیث، نقول معتبرہ اور عربوں کے قابلِ حجت کلام سے جمعہ کی فرضیت، مقامِ فرضیت اور مقامِ ادا پر سیر حاصل محققانہ بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمعہ شہر، قصبہ اور بڑے گاؤں ہی میں صحیح ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے۔ ساتھ ہی غیر مقلدین حضرات کے فتویٰ اور استدلالات کا جائزہ لیا گیا ہے جو قابل دید ہے۔

کتاب کا موجودہ متن قدیم ترین نسخہ (پہلے ایڈیشن) شائع کردہ حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی قدس سرہ کے متن کے مطابق ہے، جو کارخانۂ بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ انبالہ میں زیر اہتمام جناب منشی محمد بلال صاحب چھپا تھا۔

کتاب قدیم طرز پر چھپی تھی، جس میں نہ حوالوں کی تخریج تھی، نہ پیراگرافز تھے اور نہ جدید ذوق ورجحان کے مطابق ترقیمات تھیں۔ یہ عظیم علمی کتاب اس خدمت کی مستحق تھی کہ:

۱۔ متن میں طباعتی اغلاط کی تصحیح کی جائے۔

۲۔ کتاب میں ذکر کردہ حوالے کی تمام عبارتوں کی اصل ماخذ سے مراجعت کر کے تصحیح و تخریج کی جائے۔

۳۔ جن روایات واصول کی طرف کتاب کی زبان میں اشارے ہیں، اصل مراجع سے ان کی تخریج کی جائے۔

۴۔ مشکل عبارات پر ضروری اعراب لگائے جائیں۔

۵۔ عبارت کی تسہیل کے لئے ہر پیراگراف کو الگ الگ واضح کرنے کے لئے ترقیمات لگائی جائیں۔

الحمدللہ کتاب ان خدمات سے آراستہ ہو کر احیائے علومِ اکابر کی مساعیٔ جمیلہ کے تحت شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کی طرف سے عصر حاضر کی کمپیوٹر کتابت اور معیاری طباعت کے ساتھ افادۂ عام کے لئے شائع کی جارہی ہے۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم دارالعلوم دیوبند کے فیوض وبرکات اور اس کی علمی وروحانی خدمات کو اخلاص وحسن عمل کے ساتھ جاری وساری اور قائم ودائم رکھے۔ آمین!

بجاہ النبی الامین، وصلی اللہ علی النبی الکریم.

تقریب اشاعت

حضرات اراکین شوریٰ کی ہدایت پر شیخ الہند اکیڈمی کے ذریعہ اکابر دارالعلوم کی علمی واصلاحی اور ادبی کاوشوں کو محفوظ رکھنے اور منظر عام پر لانے کے لئے کوششیں جاری ہیں، اب تک متعدد ایسی کتابوں کو جو لائبریریوں میں الماریوں کی زینت بنی ہوئی تھیں اور جن کے ناموں سے بھی اکثر لوگ واقف نہیں تھے، جدید ذوق ورجحان کے مطابق اچھے کاغذ، دیدہ زیب کتابت اور معیاری طباعت کے ساتھ شائع کیا جا چکا ہے، بحمد اللہ اس سلسلے کی تیس سے زیادہ کتابیں طبع ہو چکی ہیں، یہ سلسلہ جاری ہے اور رہے گا، انشاء اللہ! جو حضرت اقدس مہتمم صاحب اور مؤقر اراکین شوریٰ کی توجہات اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

زیر نظر کتاب ''اوثق العریٰ'' اگرچہ مختصر ہے؛ تاہم اپنی افادیت کے اعتبار سے اہم بھی ہے، اور ضروری بھی، اس کتاب میں قطب عالم محدث کبیر حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے دیہات میں نمازِ جمعہ کے عدم وجوب پر کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل ومفصل بحث کی ہے، جس کے بعد یہ مسئلہ پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

حق تعالیٰ عوام وخواص سبھی کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع بہم پہنچائے، اور حضرت اقدس مصنف قدس سرہٗ کی قبر پر ہمیشہ بہاروں کا سایہ رکھے، آمین۔

آخر میں محترم جناب مولانا مفتی خورشید انور گیاوی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں احقر ہدیۂ تشکر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے، جنھوں نے اس کتاب کے قدیم نسخہ میں کتابت وطباعت کی اغلاط کی تصحیح، اور حوالوں کی مراجعت وتحقیق، نیز کمپیوٹر کتابت کی تصحیح میں بڑی عرق ریزی وجانفشانی سے کام لیا، نیز عزیزم مولوی اسعد اللہ بستوی صاحب احقر کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مذکورہ کاموں کے علاوہ پروف ریڈنگ میں اپنا بیش قیمت تعاون دیا، فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

بدرالدین اجمل علی قاسمی

نگراں شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

التماس

از

ناشرِ اول

بعد حمد وصلوٰۃ!

واضح ہو کہ جمعہ کی بابت اکثر غیر مقلدین نے عوام مسلمانوں؛ بلکہ خواص کے دل میں طرح طرح کے شبہے ڈال کر چند روز سے اس پر زور دے رکھا تھا کہ شہروں کے علاوہ ذرا ذرا سے گاؤں میں بھی اقامتِ جمعہ ضروری ہے۔ اور کم علم حنفی مسلمانوں کو جو قدیم الایام سے سیدھے سادے احکام پر عمل کرتے چلے آتے ہیں، اپنے جدید اجتہاد کا مقلد بنا کر باہم تفرقہ اندازی کی بناء ڈالدی تھی۔ چنانچہ بعض حضرات کی تحریک سے کسی کسی گاؤں میں جمعہ شروع بھی ہو گیا تھا۔ بدیں لحاظ کہ اس سے دینی ودنیوی مفاسد کا اندیشہ تھا، حضرت قدوۃ الافاضل، عمدۃ الاماثل، محدث العصر، فقیہ الدہر حضرت مولانا رشید احمد صاحب **ادام اللہ ظلال جلالھم، وافاض علی العالمین ظلال افضالھم** نے اس مسئلہ کو احادیثِ صحیحہ مرفوعہ وآثارِ موقوفہ سے مفصل تحقیق فرما کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایسی تحقیق ہے کہ جس کے ملاحظہ کے بعد جمعہ کی بابت کسی قسم کا تردد نہیں رہتا۔

مسلمان اسے ملاحظہ فرما کر حضرت مجیب محقق اور اس ناچیز شائع کنندہ کو ضرور دعائے خیر سے یاد رکھیں۔

محمد یحییٰ کاندھلوی

گنگوہ، ضلع سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ !

بندۂ مسکین قاضی علیم الدین ساکن قصبہ شاملی ضلع مظفرنگر بخدمت جملہ اہلِ اسلام عرض رساں ہے کہ ان دنوں ایک شخص قصبہ بلّوہ میں جو متصل قصبہ شاملی واقع ہے، تشریف لائے، اور یہ ظاہر کیا کہ ہر چھوٹے بڑے قریہ میں جمعہ فرض ہے، اور اس پر زور دیا کہ قریۂ بلّوہ میں جمعہ ہونا چاہئے اور اسی مسئلہ کو ثابت بالکتاب والسنہ بتایا کہ ہر بستی میں جمعہ فرض ہے، بڑی ہو یا چھوٹی، اور اس پر ایک فتویٰ غیر مقلدین کی طرف سے پیش کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ ہر گاؤں میں فرض ہے گو عامۂ مسلمینِ بلّوہ نے بوجہ اس کے کہ آباؤ اجداد سے کبھی وہاں جمعہ پڑھنا سنا دیکھا نہ تھا۔ اس کے قبول سے انحراف کیا۔ مگر بعض جدت پسند حضرات نے وہاں جمعہ پڑھنا شروع ہی کر دیا۔ اور اس اختلاف سے باہم جدال ونزاع اور مباحثہ ومناظرہ تک نوبت پہنچ کر آخر یہ قرار پایا کہ جناب مولانا **رشید احمد** صاحب ادام اللہ ظلال جلالہ کی طرف رجوع کیا جاوے اور جو کچھ حضرت مولانا ارشاد فرمائیں فریقین میں سے کوئی اس کی مخالفت نہ کرے، کیونکہ حضرت مولانا علمِ حدیث وفقہِ حنفی میں یکتائے روزگار ہیں۔ اس لئے ان کا ارشاد فیض بنیاد ہرگز حدیث وفقہ کے خلاف نہ ہوگا۔ اس پر جو کچھ عجیب تحقیق حضرت مولانا ممدوح نے تحریر فرمائی وہ قابل دید ہے۔

اسلامی محبت اور جوشِ اخوتِ دینی کے باعث مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ تنہا اس سے بہرہ ور ہوں، پس بمقتضائے الدين النصيحة لله ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم(۱) اس کو چھپوا کر محض اللہ کے واسطے شائع کرتا ہوں تا کہ عموماً مسلمانوں اور

(۱) بخاری شریف: ۱/۱۳، تعلیقاً (رشیدیہ دہلی)، ابوداؤد شریف: ۲/۶۷۶، مرفوعاً، باب فی النصیحة (رشیدیہ دہلی)

خصوصاً حنفیوں کو جمعہ اور اس کی فرضیت اور مقام ادا وغیرہ کے متعلق صحیح حدیثیں اور مستند اقوال معلوم ہو جائیں۔ اور آئندہ کسی غیر مقلد یا بہکانے والے کا وسوسہ دل کو تردد میں نہ ڈال سکے۔ واللہ ولی التوفیق !

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ درست نہیں اس کی کیا تعریف ہے؟ اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے وہ کتنے آدمیوں کا ہوتا ہے؟ اور اگر چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھیں تو پھر ظہر پڑھنا ضرور ہے یا نہیں؟ اور بڑے گاؤں میں بعد جمعہ ظہر پڑھیں یا نہیں؟ بینوا توجروا !!

الجواب

واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے، خواہ شہر ہو یا گاؤں، خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں، چنانچہ: **يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ** ط(۱) یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکار ہو تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو! اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں جناب باری نے عام طور پر مسلمانوں کو فرمایا کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو تو لوگ فوراً حاضر ہوں؛ لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! البتہ حدیث سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہو جائے۔ چنانچہ بیہقی میں ہے:

عن طارق بن شهاب رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة ، الا

(۱) سورۃ الجمعۃ: پ۲۸، آیت ۹۔

اربعة عبد مملوك ، او امرأة ، او صبی ، او مريض. رواه ابو داؤد انتهٰى مختصرًا[(۱)] یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کے لئے اتنے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہوجاوے اور جماعت کے لئے سب سے کم درجہ دوعدد ہے اور دوشخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ نیل الاوطار میں ہے:

اما الاثنان فبانضمام احدهما الى الآخر يحصل الاجتماع ، وقد أطلق الشارع عليهما اسم الجماعة فقال : الاثنان فما فوقهما جماعة. كما تقدم فی أبواب الجماعة . [(۲)] خلاصہ یہ ہے کہ دوشخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ آیت اور دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ قدرِ جماعت آدمی ہونے چاہئیں جن کا کم سے کم درجہ دوعدد ہے۔ لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو اس پر بھی جمعہ فرض ہے۔

ہاں! البتہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے۔ اور اس کے لئے دلیل یہ قول بیان کیا گیا ہے: **لا جمعة ، ولا تشريق ، ولا فطر ، ولا**

(۱) سنن بیہقی:۳/۱۷۲۔ ابوداؤد شریف:۱/۱۵۳، باب الجمعة للمملوك والمرأة (رشیدیہ دہلی)

(۲) نیل الاوطار: ۳/۱۰۹، باب انعقاد الجمعة باربعين واقامتها فی القریٰ . نیل میں وقد اطلق الشارع اسم الجماعة عليهما ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۱، بلفظ: لا جمعة ، ولا تشريق ، ولا صلاة فطر، ولا اضحٰى الا فی مصر جامع او فی مدينة عظيمة ، عن علی موقوفا. مصنف عبدالرزاق:۳/۱۶۷، ۱۶۸۔ بلفظ: لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع. عن علی موقوفا. باب القرى الصغار. باب صلاة العيدين فی القرى الصغار: ۳/۳۰۱۔ سنن بیہقی: ۳/۱۷۹۔ مشکل الآثار: ۲/۵۴۔ التلخيص الجير: ۱/۱۳۲۔ ابن حجر نے فرمایا: اسناده صحيح. الدراية: ۱/۲۱۴۔ ابن حزم نے فرمایا: فقد صح عن علی: لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع. المحلى: ۵/۵۳۔

تنبیه: نصب الرایہ:۲/۱۹۵، اور فتح القدیر:۲/۴۹ (زکریا) باب صلاة الجمعة میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق ابوعبدالرحمٰن سلمی کی سند سے یہ حدیث ان لفظوں میں ذکر کی گئی ہے: لا تشريق ولا جمعة الا فی مصر جامع. مگر مصنف عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں یہ حدیث الفاظ کی مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ نہیں مل سکی، مصنف میں سلمی کی سند سے اسی ترتیب کے ساتھ الفاظ منقول ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے، ممکن ہے یہ مخطوطات کا فرق ہو۔

اضحٰى ، الا فی مصر جامع[(۳)] اور اس قول کو صاحب ہدایہ نے حضرت کا قول قرار دیا ہے۔[(۱)] مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت کا قول نہیں ہے، بلکہ حضرت علی کا قول ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

قوله لقول علی: لا جمعة ولا تشريق اه . رفعه المصنف وانما رواه ابن ابی شيبة موقوفاً علٰى علی رضی اللّٰه تعالٰى عنه : لا جمعة ، ولا تشريق ، ولا فطر ، ولا اضحٰى ، الا فی مصر جامع او مدينة عظيمة وصححه ابن حزم[(۲)] . یعنی مصنف نے اس قول کو مرفوع قرار دیا ہے یعنی حضرت کا قول کہا ہے حالانکہ یہ قول حضرت علی پر موقوف ہے یعنی ان ہی کا قول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے۔

اس کے بعد خود حنفیہ میں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مصر کس کو کہتے ہیں؟ اور اس بارہ میں علماء حنفیہ کے مختلف اقوال موجود ہیں۔ چنانچہ یہ اقوال ہدایہ اور اس کی شرحوں میں موجود ہیں[(۳)]۔

واضح ہو کہ جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا خود حنفیہ کے اصول اور قاعدہ کے رو سے حجت نہیں ہے، اس واسطے کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع یعنی حضرت کا قول موجود ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ اور حنفیہ کا قاعدہ ہے کہ جو قولِ صحابی ایسا ہو کہ اس کے خلاف حدیثِ مرفوع موجود ہو تو وہ حجت نہیں ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفه شئ آخر من السنة[(۴)]

(۱) ہدایہ:۱/۱۴۸، باب صلاة الجمعة (رشیدیہ دہلی)

(۲) فتح القدیر کی اصل عبارت یہ ہے: قوله: لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: لا جمعة الخ رفعه المصنف ، انما رواه ابن ابی شيبة موقوفا على علی رضی اللّٰه عنه: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا اضحٰى الا فی مصر جامع او فی مدينة عظيمة ، صححه ابن حزم. ۲/۴۹ (زکریا دیوبند)

(۳) ملاحظہ ہو، ہدایہ: باب صلاۃ الجمعۃ: ۱/۱۴۸، مع حاشیہ ۵، (رشیدیہ دہلی) فتح القدیر:۲/۵۰، ۵۱۔ عنایہ مع فتح القدیر:۲/۴۹۔۵۱ (زکریا دیوبند)

(۴) فتح القدیر:۲/۶۴ (زکریا دیوبند)

یعنی قول صحابی حجت ہے۔ لہٰذا اس کی تقلید ہمارے اوپر واجب ہے، مگر اس وقت کہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرے۔ اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ یہ قول صحابی حجت نہ ہوگا، کیونکہ اس کے خلاف حدیثِ مرفوع موجود ہے، لہٰذا یہ جمعہ کے لئے شہر کا شرط ٹھہرانا باطل ہوگیا، اور قابلِ تسلیم نہیں۔

اور جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنا ضروری نہیں ہے، دووجہ سے، ایک یہ کہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جولوگ آج کل جمعہ کے بعد ظہر پڑھنی بتاتے ہیں، وہ یہ وجہ کہتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے، اس واسطے احتیاطاً ظہر پڑھ لینی چاہئے، لیکن اوپر معلوم ہو چکا کہ قرآن اور حدیث کے رو سے دیہاتوں میں جمعہ فرض ہے۔ لہٰذا اب جمعہ کی فرضیت میں شک نہیں رہا، اور جب شک جاتا رہا تو احتیاطی ظہر بھی جاتی رہی۔ اور اس کے پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں باقی رہی۔ واللہ اعلم بالصواب!

حررہ ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہٗ

عن ابن عباس: اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی عبد القیس بجواثیٰ من البحرین (بخاری وابوداوٗد) **وقال: جواثیٰ قریة من قری البحرین**[1] اور امورِ معلومہ ظاہرہ سے ہے کہ عبدالقیس نے بغیر امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقامتِ جمعہ نہیں کیا، ازانکہ عادتِ صحابہ کرام سے یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے خصوصاً زمانِ نزولِ وحی میں اور خصوصاً ابتداءِ اسلام میں۔

معہٰذا اگر یہ امر اقامتِ جمعہ من جملہ ممنوعاتِ شرعیہ سے ہوتا تو البتہ اس کی نہی

(۱) بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباسؓ قال: ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثیٰ من البحرین. ۱/۱۲۲۔ باب الجمعة فی القریٰ والمدن (رشیدیہ دہلی)۔ اور ابوداوٗد شریف کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباسؓ قال: ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثا، قریة من قری البحرین . قال عثمان: قریة من قری عبدالقیس. ۱/۱۵۳، باب الجمعة فی القری (رشیدیہ دہلی)

میں نزولِ وحی ہوتا، اور عدمِ نزولِ وحی اقوائے ادلۂ جواز سے ہے، چنانچہ حضرت جابر اور ابوسعید نے جوازِ عزل پر اس طرح استدلال کیا اور کہا: **کنا نعزل والقرآن ینزل**[1] وھٰکذا اور شواہد اس کے بہت ہیں۔

وایضاً نمازِ جمعہ مانند سائر صلوٰۃ کے ہے **الا ما ورد به النص بالتخصیص کالخطبة وغیرہ**، اور بالاتفاق جمیع صلوٰۃ سب جگہ بلا فرق قریٰ ومدن کے لازم ہے، یہ بھی ویسا ہی ہے۔

اور ایضاً حدیث: **الجمعة واجب علی کل محتلم**[2] عام ہے جمیع امکنہ کو بلا تخصیص بلاد عظیمہ وغیرہ کے اور حسبِ قاعدۂ اصولیہ عام جب تک کوئی مخصصِ صحیح موازن اُس کی موثوقیت وغیرہ میں نہ ہو، عموم پر محمول ہوتا ہے۔[3]

باقی وہ حدیث جس پر فرقۂ متعصبہ نازاں وفرحاں ہیں: **عن علی مرفوعاً: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع.** امام احمد نے اس حدیث کے رفع میں بہت کلام کیا اخیر فیصلہ کیا کہ صحیح یہ کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اور ابن حزم نے فرمایا: **الصحیح وقفه.** نیل الاوطار میں ہے: **وللاجتهاد فیه مسرح فلا ینتهض للاحتجاج به**[4] پس یہ حدیثِ موقوف کیونکر معارضہ اُس حدیث مذکورۂ بالا کا کرسکتی ہے؟ بلکہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

(۱) بخاری شریف: ۲/۷۸۴، باب العزل (رشیدیہ دہلی)

(۲) بخاری شریف: ۱/۱۲۳، باب هل علی من لا یشهد الجمعة غسل الخ (رشیدیہ دہلی) البتہ بخاری شریف میں: غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم کے الفاظ ہیں۔ نسائی شریف: ۱/۱۵۴، باب التشدید فی التخلف عن الجمعة (رحیمیہ دہلی)۔ نیل الاوطار: ۳/۱۰۳، باب من تجب علیه ومن لا تجب. البتہ دونوں کتابوں میں رواح الجمعة واجب علی کل محتلم کے الفاظ ہیں۔

(۳) جیسا کہ اصولِ بزدوی میں ہے: فقد قال عامة مشائخنا : ان العام الذی لم یثبت خصوصه لا یحتمل الخصوص بخبر الواحد والقیاس ، هٰذا هو المشهور. ۵۹ (نور محمد کراچی)

(۴) یہ پوری بحث نیل الاوطار سے ماخوذ ہے، نیل کی اصل عبارت یہ ہے:

واحتجوا بما روی عن علی مرفوعا: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، وقد ضعف احمد رفعه ، وصحح ابن حزم وقفه وللاجتهاد فیه مسرح فلا ینتهض للاحتجاج به ۔۳/۱۱۰، باب انعقاد الجمعة.

حديث على متفق على ضعفه[۱] علاوہ اور احادیث اُس کے مؤیدات ہیں، بخاری شریف میں ہے:

قال يونس: كتب رُزيق بن حكيم الى ابن شهاب وأنا معه يومئذ بوادى القرىٰ، هل ترىٰ ان اجمع؟ ورُزيق عامل على أرض يعملها وفيها جماعة من السودان وغيرهم ورُزيق يومئذ علىٰ ايلة، فكتب ابن شهاب وأنا أسمع يامره ان يجمع . (الحديث بطوله)[۲] ابن ابی شیبہ طریق ابی رافع عن ابی ہریرۃ عن عمر سے لائے ہیں:

ان عمر كتب الى اهل البحرين ان جمعوا حيثما كنتم! قال هٰذا يشمل القرىٰ والمدن قال : وصححه ابن خزيمة[۳] امام بیہقی طریق ولید بن مسلم سے لائے ہیں:

قال : سالت الليث بن سعد (اى عن التجميع فى القرىٰ) فقال: كل مدينة أو قرية فيها جماعة امروا بالجمعة فان اهل مصر وسوا حلها كانوا يجمعون الجمعة على عهدِ عمر وعثمان بامرهما وفيها رجال من الصحابة.[۴] القصہ احادیثِ کثیرہ مابین ضعاف وحسان، اس بارہ میں

(۱) المجموع شرح المهذب، تحت قوله: (فرع) اذا كان فى القرية اربعون من اهل الكمال صحت جمعتهم فى قريتهم ولزمتهم ۵۰۵/۴ (دارالفکر بیروت) البتہ المجموع کی اصل عبارت یہ ہے: واما الحديث الذى احتجوا به فضعيف، متفق على ضفعه .

(۲) بخاری شریف: ۱۲۲/۱، باب الجمعة فى القرىٰ والمدن. (رشیدیہ دہلی)

(۳) حوالے کی یہ دونوں عبارتیں نیل الاوطار سے ماخوذ ہیں—— نیل کی اصل عبارت یہ ہے: وقد روى ابن أبى شيبة عن عمر: انه كتب الى اهل البحرين: ان جمعوا حيث ما كنتم وهٰذا يشمل المدن والقرىٰ . وصححه ابن خزيمة —— وروى البيهقى عن الليث بن سعد: ان اهل مصر وسواحلها كانوا يجمعون على عهد عمرو عثمان بامرهما ، وفيها رجال من الصحابة . ۱۱۰/۳ باب انعقاد الجمعة.

مصنف ابن ابی شیبہ کی اصل روایت یہ ہے: عن ابى رافع عن ابى هريرة : انهم كتبوا الى عمر يسألونه عن الجمعة؟ فكتب : جمعوا حيث كنتم ۱۰۱/۲،۱۰۲- باب من كان يرى الجمعة فى القرىٰ وغيرها.

(۴) اور سنن بیہقی کی اصل روایت یہ ہے: قال: سألت الليث بن سعد؟ فقال: كل مدينة او قرية فيها جماعة، وعليهم امير امروا بالجمعة فليجمع بهم، فان اهل الاسكندرية ومدائن مصر ومدائن سواحلها كانوا يجمعون الجمعة على عهد عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما بامرهما ، وفيها رجال من الصحابة ۱۷۸/۳، باب العدد الذين اذا كانوا فى قرية وجبت عليهم الجمعة.

اَسفارِ معتبرہ میں موجود ہیں، تو معلوم ہوا کہ جہاں ہو جمعہ پڑھنا ضروری ہے، ازانکہ وعیدِ تارکِ جمعہ سب پر عائد ہے۔

باقی جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے اور تعیینِ جماعت میں اقوالِ مختلفہ وارد ہوئے۔ چنانچہ صاحب فتح الباری نے ۱۵ اقوال نقل کئے۔[۱] اما وہ تعیین جو خود شارع شریف سے ثابت ہے، متیقن و واجب التسلیم ہے۔ فرمایا:

اثنان فما فوقهما جماعة[۲]

قال فى النيل: لم يثبت دليل على اشتراط عدد مخصوص، وقد صحت الجماعة فى سائر الصلوات باثنين ، ولا فرق بينها وبين الجمعة ، ولم يات نص رسول الله صلى الله عليه وسلم بان الجمعة تنعقد بكذا وكذا.[۳] پس حاصل یہ کہ جب دو شخص کسی مکان میں مل کر جماعت سے جمعہ پڑھ لیں تو وہ ادائے ماوجب علیہما سے بری ہو گئے۔ **هٰذا هو الحق!**

سید محمد نذیر حسین ‏ سید محمد عبدالسلام غفرلہ ‏ سید محمد ابوالحسن

☆☆☆

(۱) فتح الباری: ۵۳۷/۲، باب اذا نفر الناس عن الامام فى صلاة الجمعة الخ (دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ابن ماجہ: ۶۹/۱ ـ باب الاثنان جماعة (اشرفی دیوبند)

(۳) نیل الاوطار کی صحیح عبارت یہ ہے: لم يثبت دليل على اشتراط عدد مخصوص، وقد صحت الجماعة فى سائر الصلوات باثنين ولا فرق بينها وبين الجماعة ، ولم يات نص من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم بان الجمعة لا تنعقد الا بكذا، وهٰذا القول راجح عندى ، ۱۰۸/۳، باب انعقاد الجمعة باربعين واقامتها فى القرىٰ.

آیت سے فرض ہونا جمعہ کا عام طور پر ہر جگہ ثابت ہوا، شہر ہو یا قریہ۔ پس تخصیص شہر کی نص کے مقابلہ میں موافق قاعدہ اصولِ حنفیہ کے احناف کو کرنا چاہئے، وإذ لیس فلیس، اور خلاف قواعد اپنے مذہب کے فتویٰ دینا کالحباریٰ فی الصحاریٰ باطل ہے، **بل ھوس من ھوسات الشیطان.** اور ابوداؤد میں ہے:

باب الجمعة فی القریٰ : حدثنا عثمان بن ابی شیبة ومحمد بن عبداللّٰه المخزمی لفظه قالا: نا وکیع عن ابراهیم بن طهمان عن ابی جمرة عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال : إن أول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی؛ قریة من قری البحرین. قال عثمان: من قری عبدالقیس[1]. اور صلوٰۃ جمعہ ادا کرکے پھر ظہر پڑھنا ایک محدث امر ہے اور وسوسۂ شیطانی۔ حدیث میں آیا ہے: **کل محدث بدعة**[2]

تلطف حسین

(۱) ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۳، باب الجمعة فی القریٰ (رشیدیہ دہلی) البتہ ابوداؤد شریف میں ہے: قال عثمان: قریة من قری عبدالقیس.

(۲) مشکوٰۃ شریف: ۱/۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنة ، فصل ثانی (رشیدیہ دہلی)

حامداً للّٰه علی جزآئل نعمائه ، وشاکرا له علی جلآئل آلآئه، ومصلیاً علٰی رسوله محمد افضل انبیائه ، ومبلغی انبائه ، وعلی سائر الصحب والآل ، ومن سلك مسالك اقتفائه .

اقول وباللّٰه التوفیق: یہ جواب فتویٰ کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ فرض ہے، اگرچہ وہاں دو ہی مسلمان ہوں ہرگز صحیح نہیں ہے، کیونکہ روایاتِ معتبرہ صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیتِ نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت کے ہوچکی تھی، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں اقامتِ جمعہ کی بسبب غلبۂ کفار کے قدرت نہ تھی، لہٰذا اقامتِ جمعہ سے عاجز رہے۔ لیکن اہلِ مدینہ کو آپؐ نے واسطے اقامت جمعہ کے امر فرمایا تھا، اور حسبِ حکم آپؐ کے مدینہ طیبہ میں جمعہ ہوا اور تا مقدمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جمعہ جاری رہا۔ چنانچہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

وذٰلك أن الجمعة فرضت علی النبی صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم وهو بمکة قبل الهجرةِ . کما أخرجه الطبرانی عن ابن عباسؓ، فلم یتمکن من اقامتها هنالك من أجل الکفار . فلما هاجر من هاجر من أصحابه إلی المدینة کتب إلیهم یامرهم أن یجمعوا فجمعوا. انتهیٰ عبارته[1] اور نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی عون الباری میں، اور علامہ قسطلانی اور علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

تحت قوله فهدا نا اللّٰه له: بان نص لنا علیه ولم یکلنا إلی اجتهادنا ، لاحتمال أن یکون صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم علمه بالوحی، وهو بمکة؛ فلم یتمکن من إقامتها بها. وفیه حدیث ابن عباسؓ عند

(۱) نیل الاوطار: ۳/۱۰۷، باب انعقاد الجمعة باربعین واقامتها فی القریٰ.

الدار قطنی. ولذٰلك جمع بهم أول ما قدم المدينة ، كما ذكره ابن إسحاق وغيره . انتهٰى كلامهم جميعاً.[1] اور نیز سنن ابوداوٗد میں ہے:

عن عبد الرحمان بن كعب بن مالك، وكان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيه كعب بن مالك رضى اللّٰه تعالٰى عنهما: أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة؟! قال: فقلت له: اذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة ؛ قال: لانه اول من جمع بنافى هزم النبيت من حرة بنى بياضة فى نقيع ، يقال له نقيع الخضمات ؛ قلت: كم كنتم يومئذٍ؟ قال: اربعون.[2]

ورواه ابن ماجة وقال فيه: كان اول من صلى بنا صلوٰة الجمعة قبل مقدم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من مكة. انتهٰى[3]

اور جب آپؐ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے ہیں تو اول جمعہ جو آپؐ کو وہاں ہوا، آپؐ نے نمازِ جمعہ ادا فرمائی اور اُس وقت تک آیتِ جمعہ ہرگز نہ نازل ہوئی تھی، بلکہ ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اتقان میں ہے:

(سورة الجمعة) الصحيح انها مدنية . لما روى البخارى عن ابى هريرة رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال: كنا جلوسًا عند النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فأنزل عليه فى سورة الجمعة : وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ، قلت: من هم يا رسولَ اللّٰه؟ الحديث. ومعلوم ان اسلام ابى هريرةؓ بعد الهجرة بمدة . وقوله: قُلْ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا! خطاب لليهود ، وكانوا بالمدينة . وآخر السورة نزل فيمن انفض منهم حال الخطبة لما

(۱) عون الباری:/۳٦٦، کتاب الجمعة، ــ قسطلانی:۲/۱۲۹، باب وجوب فرض الجمعة، فتح الباری: ۲/۴۵۲، باب فرض الجمعة.
(۲) ابوداوٗد شریف:۱/۱۵۳، باب الجمعة فی القریٰ (رشیدیہ دہلی)
(۳) ابن ماجہ:۱/۷۷،باب فرض الجمعة (رشیدیہ دہلی)

قدمت العير. كما فى الأحاديث الصحيحة ، فثبت أنها مدنية كلها. انتهٰى عبارة الاتقان،[1] پس ان روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ نزولِ آیتِ جمعہ کا بعد فرضیت جمعہ کے ہے، اس آیت کے نزول سے ابتداءِ فرضیت جمعہ اُمت پر نہیں ہوئی، بلکہ نزولِ آیت کا بعد فرضیت جمعہ کے ہے۔ بہت سے احکام اس قبیل سے ہیں کہ اول حکم نازل ہو گیا، اور آیت اس باب میں بعد نازل ہوئی، یہ آیت بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ سیوطی اتقان میں کہتے ہیں:

(النوع الثانى عشر: ماتأخر حكمه عن نزوله وما تأخر نزوله عن حكمه) (الى ان قال) ومن امثلته ايضا: آية الجمعة ، فانها مدنية والجمعة فرضت بمكة ؛ الٰى آخر ما قال[2]

پس جو علماء فرماتے ہیں کہ فرضیتِ جمعہ بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوئی اس آیت سے، سوا گر اُن کی یہ مراد ہے کہ وہ آیت جس سے فرض ہونا جمعہ کا ہم کو معلوم ہوتا ہے، مدینہ میں نازل ہوئی تو یہ قول اُن کا درست و بجا ہے۔ اور اگر یہ معنی ہیں کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں بعد ہجرت اس آیت سے ہی فرض ہوا تو اہل بصیرت پر واضح ہے کہ یہ رائے خلاف واقع کے ہے، چنانچہ اوپر کی احادیث سے ظاہر ہو گیا۔ اور یہ جو روایت ابوداوٗد وغیرہ کی ہے کہ:

جمع أهل مدينة قبل أن يقدمها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقبل أن تنزل الجمعة ، فقالت الانصار : إن لليهود يوماً يجتمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارىٰ كك، فهلم ! فلنجعل يوماً نجتمع فيه فنذكر اللّٰه تعالٰى ونصلى ونشكره. فجعلوه يوم العروبة واجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ. وأنزل اللّٰه تعالٰى بعد ذٰلك : اِذَا نُوْدِیَ

(۱) الاتقان:۱/۱۷، فصل فى تحرير السور المختلف فيها (اشاعت الاسلام دہلی)
(۲) الاتقان:۱/۴۹ (اشاعت الاسلام دہلی)

لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ . الآية ، انتهٰى (۱)

سو یہ روایت معارض اس پہلی روایت کے کہ جس میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقامتِ جمعہ ثابت ہوتا ہے، ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اجتماع انصار کا از رائے خود قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا تھا اور وہ صلوٰۃ تنفُّلاً تھی، اُس کے سبب سے اُنہوں نے فرضِ ظہر ترک نہ کیا تھا (۲)، کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اپنی رائے سے ایک امر ایجاد کرکے فریضۂ حق سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے، اور بعد امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ جمعہ دو رکعت پڑھی گئی، اور اُس کو مُسقطِ ظہر ٹھہرایا گیا، پس ان دونوں واقعوں میں کچھ مخالفت اور تعارض نہیں ہے۔

الحاصل محقق ہوگیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظّمہ میں ہوچکی تھی، اور مکہ میں اقامتِ جمعہ سے تعذّر رہا اور مدینہ طیبہ میں کہ مصر تھا اور مسلمانوں کو تمکن اقامتِ جمعہ کا تھا، جمعہ بامرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری رہا اور جو مواقع محلِ اقامت جمعہ نہ تھے مثل عوالی، قبا وغیرہ وہاں جمعہ جاری نہیں ہوا، حالانکہ وہاں بہت بہت مسلمان مقیم تھے۔ اور نہ کبھی بعد میں وہاں جمعہ پڑھا گیا۔ چنانچہ ابوداؤد میں روایت ہے:

(۱) رواه عبدالرزاق باسناد صحيح عن محمد بن سيرين قال: جمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة، فقالت الأنصار: إن لليهود يوما يجتمعون فيه كل سبعة ايام ، وللنصارى كذٰلك ، فهلم فلنجعل يوما نجتمع فيه فنذكر الله تعالٰى ونصلى ونشكره – فجعلوه يوم العروبة ، واجتمعوا إلى أسعد بن زرارة ، فصلى بهم يومئذ ، وأنزل الله تعالٰى بعد ذٰلك: إذَا نُوْدِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الجُمُعَةِ الآية – فتح البارى: ٢/٤٥٢– كتاب الجمعة (دارالكتب العلميه بيروت) – مصنف عبدالرزاق: ٣/١٥٩–١٦٠ – كتاب الجمعة ، باب اول من جمع–الدر المنثور: ٦/٢١٨–التلخيص الحبير: ١/١٣٣–كتاب الجمعة . (مطبع الانصار، دہلی)

حدیث شریف میں بیان کردہ بنیادی مضمون "كان اول من صلى بنا الجمعة قبل مقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة أسعد بن زرارة" (فتح الباری: ۲/۴۵۲) کے شواہد حضرت کعب بن مالک سے درجِ ذیل کتابوں میں موجود ہیں۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۳، باب الجمعة فی القریٰ (رشیدیہ دہلی) ابن ماجہ شریف: ۱/۷۷، باب فرض الجمعة – حاکم: ۱/۲۸۱ – دارقطنی: ۲/۶۰۵ – بیہقی: ۳/۱۷۶۔

(۲) فلا يلزم حجة لأنه كان قبل ان تفرض الجمعة ، وبغير علمه صلى الله عليه وسلم ايضا – فتح القدير: ٢/٥٠– باب صلاة الجمعة (زکریا دیوبند)

عن ابن عباسؓ قال : إن أول جمعة جمعت فى الاسلام بعد جمعة جمعت فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة لجمعة جمعت بجواثٰى ، قرية من قرى البحرين . قال عثمان : قرية من قرى عبد القيس . انتهٰى (۱)

پس اگر ہر قریہ میں اگرچہ صغیرہ ہو، جمعہ فرض تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو امر نہ فرمایا؟ جیسا کہ اہل مدینہ کو امر فرمایا تھا، حالانکہ تبلیغِ احکام آپؐ کی ذاتِ پاک پر ہر بشر کی طرف فرض تھی۔

اور بعد اس کے جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو اول نزول آپؐ کا قبا میں ہوا اور وہاں چودہ روز آپؐ نے اقامت فرمائی۔ اگرچہ عددِ ایامِ اقامتِ قبا میں اختلاف ہے (۲)، مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں (۳) وہ سب سے راجح

(۱) ابوداؤد: ۱/۱۵۳، باب الجمعة فی القریٰ (رشیدیہ، دہلی)

(۲) البدایہ والنہایہ میں ہے:

قال عبد الله بن ادريس ، عن محمد بن إسحاق : قال: وبنو عمرو بن عوفٍ يزعمون: انه صلى الله عليه وسلم أقام فيهم ثمانى عشر ليلة .

قلت: وقد تقدم فيما رواه البخارى من طريق الزهرى، عن عروة: أنه عليه السلام أقام فيهم بضع عشرة ليلة .

وحكى موسى بن عقبة عن مجمع بن يزيد بن حارثة أنه قال: أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فينا —— يعنى فى بنى عمرو بن عوف بقباء —— اثنتين وعشرين ليلة .

وقال الواقدى: ويقال : أقام فيهم أربع عشرة ليلة. ٣/٢١١–٢١٢

اور دلائل النبوۃ میں ہے:

عن عروة بن الزبير عن عبدالرحمٰن بن عويم قال: اخبرنى بعض قومى، قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وذٰلك يوم الاثنين لا ثنتى عشّرة ليلة مضت من شهر ربيع الاول ، فأقام بقبا الاثنين والثلاثاء والاربعاء والخميس فأسس المسجد وصلى فيه تلك الايام ، حتى اذا كان يوم الجمعة خرج على ناقته القصواء —— وبنو عمرو بن عوف يزعمون انه لبث فيهم ثمان عشرة ليلة ثم خرج وقد اجتمع الناس فادركته الصلاة فى بنى سالم، فصلاها بمن معه فى المسجد الذى ببطن الوادى ، فكانت اول جمعة صلاها بالمدينة ــ ٢/٥١٢– باب ذكر التاريخ لمقدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة وكم لبث بعد البعث بمكة ؟ (دارالفكر العلمية بيروت)

(۳) بخاری شریف: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، باب مقدم النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة (رشیدیہ دہلی)

ہے اوران ایامِ اقامتِ قبا میں آپؐ کو دو جمعہ پیش آئے، کیونکہ آپؐ پیر کے روز قبا میں فروکش ہوئے اور پیر کے ہی روز پندرہویں دن مدینہ کو تشریف لے گئے، مگر آپ نے قبا میں اقامتِ جمعہ نہ فرمائی، اور نہ اہل قبا کو حکم فرمایا کہ: تم پر نمازِ جمعہ فرض ہے؛ تم اقامتِ جمعہ کرو! اور نہ اس پر سرزنش فرمائی کہ مدینہ میں جمعہ ہوتا ہے، تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں پڑھا؟ تو اہل قریہ پر اگر جمعہ فرض تھا تو اس ترکِ نمازِ جمعہ کی اہل قبا سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا وجہ تھی؟ جو صاحب مدعیٔ وجوبِ جمعہ بر اہل قریٰ ہیں، اُن پر اس کا جواب واجب ہے! بخاری میں ہے:

حدثنا انس بن مالك ، قال : لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدنية نزل في علو المدينة في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف. قال: فاقام فيهم اربع عشرة ليلة. الحديث. [1]

اور جن علماء کو اس روایتِ جمعۂ جواثا سے شبۂ وجوبِ جمعہ بر اہل قریٰ ہوا ہے، وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ جواثٰی گاؤں نہ تھا بلکہ شہر تھا، اور جب اس میں احتمال ان معنی کا ہوا تو استدلال درست نہ رہا، کہ: **إذا جآء الاحتمال بطل الاستدلال .**

في العينى شرح البخارى: وحكى ابن التين عن الشيخ ابى الحسن: انها مدينة. وفى الصحاح للجوهرى ، والبلدان للزمخشرى: جواثٰى حصن بالبحرين ــ وقال ابو عبيد البكرى : وهى مدينة بالبحرين لعبد القيس .

قال امرء القيس:

ورحنا كأنّا من جواثٰى عشية نعالى النعاج بين عدل ومحقب

يريد كأنا من تجار جواثٰى لكثرة ما معهم من الصيد، واراد كثرة امتعة تجار جواثٰى . قلت: كثرة الامتعة تدل غالباً على كثرة التجار، وكثرة التجار تدل على ان جواثٰى مدينة قطعاً، لان القرية لا يكون فيها تجار

(۱) حوالہ مذکورہ بالا

كثيرون غالباً عادة . انتهٰى [1].

اور باآنکہ بعض اوقات اطلاق قریہ کا باعتبار اُس کے معنی لغوی: ''اجتماع'' کے مدینہ پر بھی ہوجاتا ہے۔ **قال الله تعالىٰ: وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ**○ [2] یعنی مکہ وطائف [3] اور اگر تسلیم ہی کرلیا جائے کہ جواثٰی قریہ تھا، تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہلِ جواثٰی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت واذن سے وہاں جمعہ ادا کیا تھا اور آپؐ کو اس کی اطلاع ہوکر آپؐ نے اُس کی تقریر بھی فرمائی۔ آج تک یہ کسی سے ثابت نہیں ہوا ہے کہ یہ فعل اُن کا باذن واجازت آپؐ کے تھا۔

اگر کسی کو دعویٰ ہو تو اب صراحۃً اجازت آپؐ کی کسی حدیثِ صحیح سے ثابت کرے!

اور یہ خیال کہ صحابہؓ جو کچھ کرتے تھے آپؐ کی اجازت سے کرتے تھے، چنانچہ بعض علماء مثل علامہ شوکانی وغیرہ نے عذر کیا ہے، درست نہیں ہے [4]۔ کیونکہ بہت افعال صحابۂ کرام سے بلا اذن صریح واجازت آپؐ کے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ خود اسی امرِ جمعہ میں اسعد بن زرارہ نے قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ قائم کیا تھا، جیسا کہ حدیثِ ابوداؤد سے اوپر ثابت ہوا [5] اور چونکہ جواز اقامتِ جمعہ کا جواثٰی میں درصورت قریۂ صغیرہ ہونے جواثٰی کے؛ موافق تھا یا اذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، یا بعد خبر ہونے کے تقریر اور سکوت پر، اور یہ دونوں ہرگز ثابت نہیں، تو علامہ ابن حجرؒ نے اس کے جواز کے لئے یہ تجویز فرمائی، کہ جس کو مجیب صاحب نقل فرماتے ہیں **بقوله :**

(۱) عمدۃ القاری شرح بخاری: ۶/۲۷۰، **باب الجمعة فى القرىٰ والمدن (بيروت)**

(۲) سورۂ زخرف، پ: ۲۵، آیت: ۳۱۔

(۳) کشاف: ۳/۴۱۷، بیضاوی: ۲/۲۸۱، (رحیمیہ دیوبند) روح المعانی: جز: ۲۵۔۱۳/۸۷، مظہری: ۸/۳۴۵، (ندوۃ المصنّفین دہلی) شرح فتح القدیر: ۲/۴۹ (زکریا دیوبند)

(۴) نیل الاوطار میں ہے: **لما عرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالامور الشرعية فى زمن نزول الوحى.** ۳/۱۰۹، **باب انعقاد الجمعة باربعين واقامتها فى القرىٰ.**

(۵) ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۳، **باب الجمعة فى القرىٰ** کی یہ حدیث اس کتاب کے صفحہ: پر گذر چکی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما: أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین (بخاری وابوداؤد) **وقال: جواثی قریة من قری البحرین[1] الیٰ آخر ما ذکر فی جواب المجیب.**

اور حاصل اُس کا یہ ہے کہ اگر چہ یہاں اذن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو، یا کسی نے خبر اس اقامت کی آپ ؐ کو نہ دی ہو، تا کہ آپ کی تقریر اور سکوت موجبِ جواز ٹھہرائی جاوے، مگر چونکہ آپ ؐ کی حیات میں اہل جواثی نے یہ اقامت جمعہ کی کی تھی، تو اگر یہ اقامت ناجائز ہوتی تو بالضرور بذریعہ وحی کے آپ ؐ کو اطلاع دی جاتی اور آپ ؐ اس کو منع فرماتے۔ پس جب کہ آپ ؐ کو اُس کی ممانعت کا حکم نہ آیا، تو یہ اقامت درست اور جائز ہوگئی، اور اُس کی نظیر میں واقعۂ عزل کو پیش فرماتے ہیں۔

اب بندہ عرض کرتا ہے کہ جو امر صحابہؓ نے اپنی رائے سے بدون علم واطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل درآمد فرمایا، اور اُس کی ممانعت میں نزولِ وحی نہ ہوا تو اس امر کے جواز کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ اُس میں کوئی نص ممانعت کی موجود نہ ہو، دوسرے یہ کہ عامّہ صحابہ اُس پر تعامل فرماویں، نہ چند نفر اصحاب۔ اگر کوئی نص ممانعت کی موجود ہو تو ہرگز صحابہ کا تعامل معتبر نہ ہوگا بمقابلہ نصِ صریح صحیح کے، اور نہ یہاں ضرورت نزول وحی کی ہوگی کہ وہ نصِ ممانعت خود بمنزلۂ وحی موجود ہے، چنانچہ سب پر واضح ہے۔ اور اگر بدون اطلاع نص کے اکثر صحابہ نے بھی کوئی عمل کیا اور اُس پر انکار کیا گیا تو وہ بھی قابل اعتماد کے نہ ہوگا اور ضرورت نزول وحی کی نہ ہوگی، کیونکہ قول اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل وحی کے ہے، بلکہ ایسے مواقع میں اُس کے مقابل دوسرے نص کی حاجت ہوتی ہے، جو مؤید رائے صحابہ کے ہو۔ چنانچہ بابِ متعہ میں بعد اوطاس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو ابدالآباد تک حرام من کل

(۱) اس حدیث کی تخریج ص: پر گذر چکی ہے۔

الوجوہ فرمادیا تھا[1]۔ اور بعد اُس کے بسبب بے خبری اس تحریم کے بعض صحابہ نے اس کو جائز جانا[2] اور بعض نے اس پر عمل بھی کیا، اس میں نزول وحی کا نہیں ہوا، پھر بھی کوئی اُس کو جائز نہیں کہہ سکتا[3]، اور اس کے اور نظائر بھی موجود ہیں اور بابِ عزل میں خود جواز کی نص موجود ہے کہ خود جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں:

قال: قلنا: یا رسول اللّٰہ! إنا کنا نعزل ، فزعمت الیهود: انه المؤدة الصغریٰ ، فقال: کذبت الیهود ، إن اللّٰہ إذا أراد أن یخلق شیئا لم یمنعه[4]

پس جبکہ جابرؓ کو جواز اس کا معلوم ہو چکا تھا اور اکثر صحابہ اُس پر تعامل رکھتے تھے اور کوئی نص اُس کی حرمت کی نہ تھی، اس پر بھی جب بعض نے اس فعل کا انکار کیا تو حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ فعل باجازتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے، اور کوئی وحی اس کے ترک کی نہیں آئی، تو کس وجہ سے یہ فعل ناجائز ہوسکتا ہے؟ ہاں! اگر یہ فعل خلافِ اولیٰ ہو تو یہ دوسرا امر ہے۔ بخلاف مسئلہ اقامتِ جمعہ کے کہ اس میں کوئی دلیل جوازِ جمعہ کی موجود نہیں ہے، بلکہ نص صریح فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعاملِ صحابہ اہل عوالی وغیرہ سے اس کی ممانعت بدیہی وصریح ہے۔ اور اہلِ جواثی کہ بزعم علامہ رحمۃ اللہ علیہ وہ قریۂ صغیرہ تھا، چند نفر صحابہ تھے کہ چند روز صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے تھے، اور بیشتر قریٰ صغیرہ میں یہی چالیس پچاس آدمی ہوتے

(۱) بخاری شریف:۲/۷۶۷، باب نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن نکاح المتعة اخیرًا . نسائی شریف:۲/۷۵، تحریم المتعة (رحیمیہ دہلی) ترمذی شریف:۱/۲۱۳، باب ماجاء فی نکاح المتعة (زکریا دیوبند) مسلم شریف:۱/۴۵۱۔۴۵۲، باب نکاح المتعة (رشیدیہ دہلی)

(۲) ان علیاً رض بلغه ان رجلا لا یریٰ بالمتعة باسًا ، فقال : انك تائه . نسائی شریف:۲/۷۵، تحریم المتعة – وانما روی عن ابن عباسؓ: شئ من الرخصة فی المتعة ثم رجع عن قوله حیث اخبره عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم. ترمذی شریف:۱/۲۱۳، باب ماجاء فی نکاح المتعة (زکریا دیوبند)

(۳) قال ابن عباسؓ: فکل فرج سواهما فهو حرام . ترمذی شریف:۱/۲۱۳، باب ما جاء فی نکاح المتعة . (زکریا دیوبند)

(۴) ترمذی شریف:۱/۲۱۵، باب ما جاء فی العزل (زکریا دیوبند)

ہیں، پھر یہاں نزولِ وحی کے باوجود ایسی نصِ مخالف موجود ہونے کی کیا ضرورت تھی،
پس اس کو بابِ عزل پر قیاس کرنا ایسے علامہ محقق سے بعید ہے۔

معہٰذا اگر کوئی اس رائے کو باوجودِ عدمِ صحت قبول بھی کر لے تو اس سے جوازِ اقامت فی القریٰ نکلتا ہے نہ فرضیت۔ پھر یہ روایت مجیب صاحب کو کیا مفید ہوگی؟ کہ وہ دو آدمی کے قریہ پر بھی جمعہ فرض فرماتے ہیں۔ نہ معلوم نقلِ اس عبارت سے مجیب صاحب کو کیا تائید ملی؟

اور حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ جواثٰی مدینہ تھا، چنانچہ محققینِ لغتِ حدیث نے تصریح فرمائی ہے، کماذکرنا۔ اور عادت ہے کہ مدینہ پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے، اور قریہ کو مدینہ کوئی نہیں کہتا؛ لہٰذا اگر کسی نے جواثٰی کو قریہ کہا تو وہ حجت اس پر نہیں ہے کہ جواثٰی قریہ تھا، بلکہ وہ مدینہ ہی تھا۔ پس دریں صورت اقامتِ جمعہ اہل جواثٰی کی نص صریح وباجازتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اس میں کچھ اشکال نہیں۔

بعد اس کے مجیب صاحب نے فتح الباری سے آثارِ حضرت عمر وحضرت عثمان وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نقل فرمائے ہیں، اور یہ اُن کو مفید نہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامہ میں جو لفظ **حیثما کنتم** واقع ہے، اُس سے یہ صاحب عمومِ امکنہ ثابت کرتے ہیں کہ مُدن اور قریٰ کو شامل ہے۔

سو اولاً ہم کہتے ہیں کہ: اگر حسب الحکم مجیب صاحب عمومِ امکنہ ہی مراد ہو، تو یہ عموم صحاریٰ اور بحار کو بھی مشتمل ہے، اور صحاریٰ میں کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا، تو جس طرح صحاری وبحار کو وہ تخصیص کریں گے، اُسی طرح سے ہم قریٰ صغیرہ کو تخصیص کریں گے، اعنی بالنص المرفوع۔

ثانیاً اگر مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعمیم ہے، تو کیونکر مظنون ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ دس سال تک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو مشاہدہ فرماویں پھر آپ کے تعامل کے خلاف پر جرأت فرماویں! حاشا وکلا!! یہ ہرگز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

نہیں ہوسکتا۔

ثالثاً بفرضِ محال اگر مراد اُن کی عموم ہی ہے تو خلافِ نصِ قطعی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس طرح معتبر ہوگی؟ لہٰذا مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عموم مُدن ہے، نہ اشتمال قریٰ۔ علیٰ ہٰذا اثرِ حضرت عثمانؓ وغیرہ کا یہی جواب ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ صاحب فتح نے یہاں اشتمالِ قریٰ خیال فرمایا ہے، وہ اُن آثار کو خلافِ اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ ان کے نزدیک موقوف ہے؛ اور بسبب موقوفیت ان ہر سہ آثار کے ان کو ثبتِ مدعا نہ جان کر فرماتے ہیں کہ: رجوع طرف مرفوع کی واجب ہے۔ پس حنفیہ عامل اس پر ہوئے کہ نصِ مرفوع یعنی فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر کیا، اور اقوال اور افعالِ صحابہ کو ہرگز وہ مختلف نہیں جانتے، اور نہ وہ فی الواقع مختلف ہیں، بلکہ سب کے نزدیک وہی معتبر ہے کہ جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ ہی حکم دیتے تھے کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حذیفہ وغیرہما رضی اللہ عنہم فرماتے تھے، پس کوئی ادنیٰ صحابی بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اکابرِ صحابہ؟!

پس جملہ اصحابِ کرام کے کلام کو باتفاق موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل کرنا چاہئے، اور اگر خلاف متبادر ہو تو تاویل کرنا واجب ہے، اور اگر تاویل بھی نہ ہو سکے تو ترک کر دینا چاہئے، اور مذہب اپنا موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنا چاہئے۔ اور اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ جتنی احادیثِ موقوفہ یا مرفوعہ بلفظِ عموم آئی ہیں وہ سب مخصوص ہیں، اس میں عمومِ مُدن ہے نہ قریٰ، اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے، حسبِ لغتِ قرآن، نہ قریۂ صغیرہ۔ ورنہ دس سال فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت مخالفت ہوگی، چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا۔

الحاصل نہ اقوالِ صحابہ میں اختلاف ہے، اور نہ رجوع الی المرفوع سے جوازِ

اقامتِ جمعۂ قریٰ ثابت ہے، پس مذہبِ حنفیہ پر کسی طرح کا اشکال نہیں ہے۔ البتہ نظرِ غائر درکار ہے، اور بس!

اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابِ جمعہ میں کس قدر تاکید فرماتے تھے اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرماتے تھے، اور اس کو تمام اہل عوالی سنتے تھے، معہذا کسی نے اپنے قریہ میں جمعہ قائم نہ کیا، اور نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال حیاتِ خود میں ان کو اقامتِ جمعہ کا حکم فرمایا، اور نہ ترکِ جمعہ پر تغلیظ فرمائی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی وغیرہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تاکید اور تغلیظ انہیں لوگوں پر ہے، جن پر جمعہ فرض ہے۔ اہلِ قریٰ، اہلِ صحاریٰ اس سے خارج اور مستثنیٰ ہیں۔ علیٰ ھذا آیت کے عموم اور عمومِ الفاظِ جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ سے بھی یہ لوگ خارج ہیں، لہٰذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا۔

اور اگر کسی شخص کو اس کا دعویٰ ہو کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا، تو اس کو ثابت کرے! ورنہ معاذ اللہ! یہ لازم آئیگا کہ تمام اہل عوالی بترکِ جمعۂ فرضِ قطعی فاسق ہوں؛ استغفراللہ! استغفراللہ!! اور احادیث سے صریح ثابت ہے کہ عوالی سے لوگ مدینہ طیبہ میں نوبت بنوبت آتے تھے؛ کہ ایک جمعہ کو چند آدمی آئے باقی اپنے گھر پر رہے، اور دوسرے جمعہ کو دوسری جماعت، جو پہلے جمعہ کو نہ آئی تھی، جمعہ کے واسطے مدینہ آتے اور وہ جماعت، کہ پہلے جمعہ کو مدینہ آئی تھی، اپنے گھر پر رہتے، اور جو لوگ اپنے گھر پر رہتے تھے وہ ظہر پڑھتے تھے، وہاں کبھی انہوں نے جمعہ ادا نہیں کیا۔ اور یہ امر بعلمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا، بلکہ بامرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اگر اہل قریٰ پر جمعہ فرض تھا تو معاذ اللہ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقامتِ جمعہ کا حکم ان لوگوں کو نہ فرمانے میں کیا مخالف حکم بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ[1] کرتے؟ ہرگز نہیں! بلکہ اہل قریٰ پر جمعہ فرض ہی نہ تھا۔ اور نوبت بنوبت ان کا آنا واسطے تحصیل برکاتِ زیارت

(۱) سورۂ مائدہ: پ:۶، آیت: ۶۷۔

کے تھا، اور بغرضِ تعلمِ مسائل دینیہ کہ ہر ہر جماعت اپنی اپنی نوبت میں شرفِ زیارت سے مشرف ہو جاوے، اور مسائل دینیہ سیکھ کر پس ماندگان کو تعلیم کرے۔

بخاری میں ہے:

عن عروة بن الزبير عن عائشةؓ زوج النبى صلّى اللّٰه عليه وسلم قالت: كان الناس ينتابون[1] الجمعة من منازلهم والعوالى[2] (الحديث)

قال العلامة ابن حجر فى شرحه: قال القرطبى: فيه رد على الكوفيين حيث لم يوجبوا الجمعة على من كان خارج المصر، كذا قال– وفيه نظر: لانه لو كان واجباً على اهل العوالى ما تناوبوا ولكانوا يحضرون جميعاً[3]

سبحان اللہ! ابن حجر مرحوم نے کیا انصاف اور دیانت کو کام فرمایا کہ باوجودِ تصلب اپنے مذہب شافعی کے حق کو ظاہر کر گئے کہ اہلِ قریٰ پر فرضیت جمعہ کی ہرگز اس حدیث سے نہیں ثابت ہوتی، جیسا کہ قرطبی کو غلطی ہوئی، بلکہ وہ مان گئے کہ اس حدیث سے اہلِ قریٰ پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر ہاں! اتنی کمی رہی کہ ابن حجر بنظرِ انصاف یہ فرماتے کہ اس حدیث سے قریہ میں جمعہ کا ادا نہ ہونا بھی ثابت ہے، ورنہ باقی ماندگانِ عوالی اپنے قریٰ میں جمعہ ادا کیا کرتے، اس واسطے کہ جمعہ کے فضائل اور کثرتِ ثواب جوان کے دلوں میں رچا ہوا تھا، تو تمام عمر اس سے محرومی کیونکر گوارہ کرتے، بلکہ صحابۂ کرام بنظر ان کی کثرتِ حرصِ حسنات ومسابقت الی الخیرات ایک جمعہ کا ترک بھی گوارہ نہ فرماتے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارحم الناس اپنے صحابہؓ پر تھے، اور نوافل وسنن وفضائل ومستحبات کے لئے ان کو امرِ ندب فرماتے رہتے تھے، اس کا بھی ضرور امر فرماتے، حالانکہ کہیں اس کا پتہ نہیں ہے۔ اس سے خود ہویدا

(۱) قدیم ترین نسخوں میں ینتاوبون بھی ہے، تفصیل کے لئے احسن القریٰ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) بخاری شریف: ۱/۱۲۳، باب من این توتی الجمعة وعلى من تجب. (رشیدیہ دہلی)
(۳) فتح الباری: ۲/۴۹۱، باب من این توتی الجمعة وعلى من تجب.

ہے کہ قریہ محلِ اقامتِ جمعہ بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ ان پر فرض ہوتا ہے۔

پس ان دلائلِ واضحہ سے ہر اہلِ انصاف پر مثلِ آفتاب روشن ہوگیا کہ نہ قریٰ صغیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے، اور نہ ان لوگوں پر اقامتِ جمعہ واجب ہے، اور نہ ان کو ادائے جمعہ کے لئے شہر میں جانا فرض ہے۔ پس مجیب اور ان کے معاونین کا یہ لکھنا کہ وجوبِ جمعہ کے لئے خاص کسی بستی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہوسکتا ہے، احادیثِ صحیحہ کے صریح خلاف ہے، اور محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اور مجیب صاحب جو عمومِ آیت سے یہ نکالتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ تو اول تو وہ خود حدیثِ طارق بن شہاب مروی ابوداؤد[۱] سے تخصیص آیت کی کرتے ہیں، کہ مریض اور مملوک اور مرأۃ اور صبی کو خارج کرتے ہیں، جس سے عمومِ آیت بحالِ خود نہ رہا۔

دوسرے مسافر اس آیت سے خارج ہے، اور اہل صحرا بھی۔ اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفات پر نمازِ جمعہ نہیں پڑھی، کیونکہ آپؐ مسافر تھے۔ اور نیز اس وجہ سے کہ عرفات صحرا ہے، نہ بستی — ایک روایت رجاء بن المرجاء نے تمیم داری سے نقل کی ہے جس میں پانچ شخصوں کو استثناء کیا ہے، چار یہ، اور ایک مسافر[۲] اور ایسے ہی صحرا میں جمعہ درست نہ ہونا، اور صحرا والوں پر فرض نہ ہونا علماءِ مجتہدین کا متفق علیہ ہے[۳]۔

تیسرے یہ سابقاً مثل آفتاب کے روشن ہوگیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی قریہ عوالی یا غیر عوالی میں اقامتِ جمعہ نہیں ہوئی، لہٰذا اہلِ قریہ اس

(۱) اس حدیث کی تخریج ص: پر گذر چکی ہے۔

(۲) عن تمیم الداریؓ ، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، قال: الجمعۃ واجبۃ الاعلی امرأۃ ، اوصبی ، او مریض ، او عبد ، او مسافر الضعفاء الکبیر للعقیلی : ترجمہ ضرار بن عمرو: ۲/ ۲۲۱ . (دارالکتب العلمیہ :بیروت)

(۳) جونص سے ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

خمسۃ لا جمعۃ علیہم ، المرأۃ ، والمسافر ، والعبد ، والصبی ، واھل البادیۃ — المعجم الاوسط للطبرانی، بحوالہ التلخیص الحبیر :۱/ ۱۳۷، کتاب الجمعۃ. (مطبع الانصار، دہلی)

آیت سے مستثنیٰ ہیں، پس استدلال مجیب کا عمومِ آیت سے فرضیتِ جمعہ اہل قریٰ پر درست نہیں ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ فرضیتِ جمعہ پہلے محقق ہوچکی تھی، اب جس پر اور جس جگہ پر جمعہ فرض تھا، اور جہاں ادا ہوتا تھا، وہ سب پہلے معلوم اور مقرر ہوچکی تھی، اور قبلِ نزول آیت سب قواعد مُمَہّد ہو لئے تھے، پس اس آیت کے اندر جو مومن مخاطب ہیں، یہ وہی مومنین ہیں کہ جن پر فرضیتِ جمعہ مقرر ہوچکی تھی، پس اس کے عموم سے کسی کے استثناء کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ وہ سرے سے داخل ہی نہیں تھے۔

وعلیٰ ھٰذا القیاس! جو احادیث کہ ان میں عام لفظوں سے وجوبِ جمعہ بیان کیا گیا ہے، ان سب سے وہ لوگ مذکورۂ بالا سب کے سب مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ آیتِ شریف: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○[۱] میں اگر چہ لفظِ موصول عام ہے، مگر مراد اس سے وہی معدودے چند کافر ہیں کہ جو سابقہ روزِ ازل میں کافر مقدر ہو چکے تھے، جیسے: ابوجہل، ابولہب وغیرہما، نہ کل کفار[۲]، کیونکہ بعد نزول اس آیت کے لاکھوں کافر مسلمان ہوئے، اگر اس آیت سے عمومِ جنسی مراد ہوتا تو کسی طرح درست نہیں ہوسکتا، علیٰ ھٰذا! جملہ احادیث واردۂ بابِ جمعہ و آیتِ جمعہ میں لفظ موصول میں اہل قریٰ وغیرہ داخل ہی نہیں ہیں کہ تخصیص کی ضرورت پڑے، مگر چونکہ مجیب صاحب نے غور اور فکر کو کام نہیں فرمایا، جو چاہا لکھ دیا۔

اور اوپر اشارہ ہو چکا ہے کہ آپؐ کے قبا کے قیام میں اختلاف ہے کہ کتنے روز

(۱) سورۃ البقرۃ؛ پ:۱، آیت:۶۔

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کابی جھل وابی لھب ونحوھما. جلالین:۱/۴۔(رشیدیہ دہلی)

وتعریف الموصول اما للعھد والمراد بہ ناس باعیانھم کابی لھب ، وابی جھل ، والولید بن المغیرۃ ، واحبار الیھود ، او للجنس متناولاً من صمم علی الکفر وغیرھم ، فخص عنھم غیر المصرین بما اسند الیہ .

بیضاوی شریف:۱/۲۲-۲۳(رحیمیہ دیوبند) تفسیر کشاف:۱/ ۲۵(دارالمعرفت بیروت)

ہوا؟ مگر جب ہم نے بخاری اصح الکتب پر اعتماد کیا، تو ان روایات کی مخالفت کچھ مضر نہیں ہے۔ ہر چند کہ وہ روایات صحیح ہوں؛ مگر صحتِ روایات منافی اس کے خلافِ واقعہ ہونے کے نہیں ہوتی۔

مثلاً صحیح بخاری میں عمرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین روایتیں ہیں؛ ساٹھ برس، تریسٹھ برس، پینسٹھ برس۔ (۱) سو یہ ہر سہ روایت مروی بہ سند صحیح ہیں، مگر موافق ومطابق واقعہ کے ان میں سے ایک ہی روایت تریسٹھ برس کی ہے، اور دو روایتیں

(۱) بخاری شریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بارے میں دو قسم کی روایتیں ہیں، ساٹھ سال کی اور تریسٹھ سال کی۔

ساٹھ سال کی روایت

بعثه الله على رأس اربعين سنة – فأقام بمكة عشر سنين ، وبالمدينة عشر سنين – عن انس بن مالك – ۵۰۲/۱ ، باب صفة النبى صلى الله عليه وسلم (رشیدیہ دہلی)

اس معنی کی مزید روایتیں حضرت انس بن مالکؓ سے بحوالہ مذکورہ بالا اور حضرت عائشہؓ وابن عباسؓ سے ۶۴۱/۱، باب وفاة النبى صلى الله عليه وسلم میں موجود ہیں۔ (رشیدیہ دہلی)

تریسٹھ سال کی روایت

عن عائشةؓ : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توفى وهو ابن ثلث وستين ۶۴۱/۲ ، باب وفاة النبى صلى الله عليه وسلم . (رشیدیہ دہلی)

اِس معنی کی مزید روایتیں حضرت ابن عباسؓ سے ۵۴۳/۱، باب مبعث النبى صلى الله عليه وسلم میں، اور دو روایتیں ۵۵۲/۱، باب هجرة النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة میں موجود ہیں۔ (رشیدیہ دہلی)

البتہ مسلم شریف میں ساٹھ اور تریسٹھ سال کی متعدد روایتوں کے ساتھ پینسٹھ سال کی روایت موجود ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توفى وهو ابن خمس وستين —— عن ابن عباسؓ —— ۲۶۱/۲، باب قدر عمره صلى الله عليه وسلم ، واقامته بمكة والمدينة (رشیدیہ دہلی)

اس معنی کی مزید دو روایتیں حضرت ابن عباسؓ سے مسلم شریف کے مذکورۂ بالا صفحہ پر موجود ہیں۔ پینسٹھ سال کی عمر مبارک والی روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

واكثر ما قيل فى عمره انه خمس وستون سنة ، اخرجه مسلم من طريق عمار بن ابى عمار عن ابن عباس . (فتح الباری: ۱۹۰/۸، باب وفاة النبى صلى الله عليه وسلم .

اور علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

وروى مسلم من حديث عمار بن ابى عامر عن ابن عباس : انه توفى، وهو ابن خمس وستين عمدۃ القاری: ۹۹/۱۶، باب وفات النبى صلى الله عليه وسلم (بيروت)

خلاف واقعہ کے ہیں، سوان دو روایت کو یا غلط کہا جاوے گا، یا کوئی معنیٔ مجازی لیکر ان کی تاویل کی جائے گی۔ بہرحال! بمعنیٔ ظاہری خود دو روایتِ صحیحہ خلاف واقعہ کے ہیں۔ ایسے ہی بابِ قیامِ قبا میں چند روایتیں ہیں کہ خلاف صحیح بخاری کے ہیں۔ (۱)

ازاں جملہ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ بروزِ جمعہ مدینہ میں تشریف لے گئے، اور آپؐ نے بنی سالم میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ (۲) اس روایت سے بھی بعض علماء نے جوازِ جمعۂ قریٰ تجویز کرلیا، اگرچہ ہم کو بعد اعتماد روایتِ بخاری اس پر وثوق کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ خلافِ واقعہ بھی ہے، کیونکہ جب آپؐ پیر کو قبا میں تشریف لائے، اور پندرہویں روز پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے، تو پھر راہ میں بنی سالم میں جمعہ پڑھنے کے کیا معنی ہوئے؟ یہ روایت صحیح نہیں ہے، بلکہ غلطی راوی کی ہے۔

لیکن اگر کسی طرح نمازِ جمعہ بنی سالم میں بھی تسلیم کی جاوے؛ تو بنو سالم محلّہ مدینہ طیبہ کا ہے، اور فناء مدینہ میں واقع ہے، کہ اب وہ آباد نہیں ہے، اور اس وقت آباد تھا، اور مدینہ طیبہ کا محلّہ شمار کیا جاتا تھا، کیونکہ فناءِ مدینہ میں واقع تھا، جیسا کہ حرۃ النبیت بھی فناءِ مدینہ میں خارجِ مدینہ واقع ہے۔ سو یہ حجت مجوزینِ جمعۂ قریٰ کو مفید نہیں، اور حنفیہ کو مضر نہیں، اور بمقابلہ ان روایات کے جو اوپر مذکور ہوئیں کچھ معتبر بھی نہیں۔ اور یہ سب تقریر بر تقدیرِ وجوبِ جمعہ بحالتِ قیامِ مکہ ہے اور یہی صحیح ہے۔

(۱) ان روایات کی تخریج ص: پر گذر چکی ہے۔

(۲) دلائل النبوۃ میں ہے:

عن عروة بن الزبير، عن عبدالرحمٰن بن عويم قال: اخبرنى بعض قومى قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وذٰلك يوم الاثنين لاثنتى عشرة ليلة مضت من شهر ربيع الاول، فأقام بقباء الاثنين والثلاثاء والاربعاء والخميس فأسس المسجد وصلى فيه تلك الأيام ، حتى إذا كان يوم الجمعة خرج على فاقته القصواء۔ وبنو عمرو بن عوف يزعمون: انه لبث فيهم ثمان عشرة ليلة ثم خرج وقد اجتمع الناس، فادركته الصلاة فى بنى سالم ، فصلاها بمن معه فى المسجد الذى ببطن الوادى ، فكانت أول جمعة صلاها بالمدينة —— ۵۱۲/۲، باب ذكر التاريخ لمقدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة ، وكم لبث بعد البعث بمكة ؟. (دارالفكر العلميه، بيروت)

اور اگر بپاسِ خاطرِ بعض علماء، یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا[1] تب بھی اعتراض جوانبِ مدینہ میں جمعہ نہ ہونے کا، اور اہلِ عوالی کے تناوب کا باقی ہے، اور حنفیہ کے لئے عدمِ وجوبِ جمعہ بر اہلِ قریٰ، وعدمِ صحتِ جمعۂ قریٰ کے لئے دلیل کافی ہے۔ چنانچہ ابن حجرؒ نے اس کا اقرار کرلیا[2]۔

پھر یہ مجیب صاحب نے اثرِ حضرتِ علیؓ میں کلام کیا ہے، جس سے ان کی ناواقفیت اصولِ حدیث وفقہ سے معلوم ہوگئی۔ پس سنو! کہ جو حدیثِ موقوف کہ اس میں قیاس کو دخل ہو، قولِ صحابی کا ہوتا ہے[3]۔ اور ایسے ہی موقوف کو صاحبِ فتح القدیر حسبِ قاعدۂ اصولِ فقہ فرماتے ہیں کہ: بمقابلہ حدیثِ مرفوع معتبر نہیں ہوتے[4]۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

واختلف فی وقت فرضيتها ! فالاكثر على أنها فرضت بالمدينة ، وهو مقتضى ما تقدم ان فرضيتها بالأية المذكورة وهى مدينة . فتح البارى: ۲۳۹/۲، كتاب الجمعة .

(۲) ملاحظہ ہوص:

(۳) وقول الصحابى فيما يعقل ملحق بالقياس ، وفيما لا يعقل ملحق بالسنة . نور الانوار: ص۶ (مطبوعہ دیوبند)

اور تدریب الراوی میں ہے:

من المرفوع ايضا ما جاء عن الصحابى ومثله لا يقال من قبل الرأى، ولا مجال للاجتهاد فيه فيحمل على السماع . جزم به الرازى فى المحصول، وغير واحد من ائمة الحديث، وترجم على ذٰلك الحاكم فى كتابه معرفة المسانيد التى لا يذكر سندها" ومثله بقول ابن مسعود: من أتى ساحرا أو عرافا فقد كفر بما أنزل على محمد صلى اللّٰه عليه وسلم ـ وقد ادخل ابن عبدالبر فى كتابه "التقصى" عدة احاديث من ذٰلك، مع ان موضوع الكتاب للمرفوعة ـ منها حديث سهل بن ابى خيثمة فى صلاة الخوف ـ وقال فى التمهيد : هٰذا الحديث موقوف على سهل، ومثله لايقال من قبل الرأى، نقل ذٰلك العراقى– ۹۸/۱–۹۹، النوع السابع: الموقوف– (قدیمی کتب خانہ کراچی)

قولِ صحابی غیر مدرک بالقیاس کے بارے میں علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

إذا كان مما لامجال للاجتهاد فيه كحديث "امر بلال ان يشفع الاذان" فهو محمول على الرفع قطعا. فتح المغيث: ۱۲۹/۱ – فروع – ادارة البحوث الاسلاميه جامعه سلفيه بنارس)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وقال الخطيب فى االموقوفات على الصحابة : جعلها كثير من الفقهاء بمنزلة المرفوعات الى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى لزوم العمل بها، وتقديمها على القياس، والحاقها بالسنن – فتح المغيث: ۱۲۶/۱ —— المقطوع —— (ادارة البحوث الاسلاميه جامعه سلفيه بنارس)

(۴) اشارہ فتح القدیر کی اس عبارت کی طرف ہے جو پہلے گذر چکی ہے:

والحاصل ان قول الصحابى حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفه شيء آخر من السنة ۶۴/۲، باب صلاة الجمعة (زکریا دیوبند)

اور جو حدیثِ موقوف کہ قیاس کو اس میں دخل نہ ہو، یا وہ مؤید ومشید مرفوع ہو، وہ خود بحکم مرفوع ہوتی ہے[1]۔ اور یہ اثر علیؓ قسم ثانی سے ہے، نہ اول سے؛ کیونکہ شرطیت عبادات کی رائے اور قیاس سے ثابت نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لئے نص صریح صحیح ہونا درکار ہے۔ پس حضرت علیؓ کا صحتِ جمعہ کے واسطے مصر کا شرط فرمانا بدون نصِ شارع علیہ السلام نہیں ہوسکتا[2]، ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حسبِ زعم مجیب اور اس کے شیوخ اور اتباع کے آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ الآیة عام ہو، اور دیگر احادیث بھی بابِ جمعہ میں عام ہوں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو جانتے ہوں، اور پھر نصوص قطعیہ وہ اپنی رائے سے مخصوص بتاویں؟! اور تخصیص نسخ ہوتی ہے قدرِ مخصوص میں، معاذ اللہ! حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ آیت قرآنی وحدیث رسول کو اپنی رائے سے نسخ کردیں؟[3] یہ تو کسی عامی کا بھی کام نہیں ہے، تو بالضرور علی کرم اللہ وجہہ کے پاس وہ علم تھا کہ جس سے تخصیص ان نصوص کی ہوتی ہو، اور اس سے انہوں نے تخصیص فرمائی۔

اور خود ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین روز بعد ہجرت فرما کر قبا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے تھے، اور باوجود فرضیتِ جمعہ کے مکہ میں، پھر آپؐ کا قبا میں جمعہ نہ پڑھنا، انہوں نے دیکھا، اور یہ نص قطعی عدمِ فرضیتِ جمعہ اہل القریٰ کے ان کو معلوم ہوئے، اور پھر مدینہ طیبہ میں جناب

(۱) ثم يجب ان يحمل على كونه سماعا، لان دليل الافتراض من كتاب اللّٰه تعالٰى يفيده على العموم فى الامكنة، فإقدامه على نفيها فى بعض الأماكن لا يكون الا عن سماع ، لانه خلاف القياس المستمر فى مثله . فتح القدیر: ۵۰/۲ باب صلاة الجمعة (زکریا دیوبند)

(۲) والقياس لا يصلح ناسخا أى لكل من الكتاب والسنة والاجماع والقياس ، لان اصحابه تركوا العمل بالرأى لاجل الكتاب والسنة ، حتى قال علىؓ: لو كان الدين بالرأى لكان باطن الخف اولى بالمسح من ظاهره لكنى رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسمح على ظاهر الخف دون باطنه . نور الانوار، ص: ۲۰۹–۲۱۰۔

(۳) ولهٰذا لم ينقل عن الصحابة : أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فى الامصار دون القرىٰ، ولو كان لنقل ولو آحادا. فتح القدیر: ۵۰/۲ باب صلاة الجمعة (زکریا دیوبند)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر دس سال تک دیکھتے رہے کہ کبھی کسی قریہ اور گاؤں میں نہ جمعہ ہوا، اور نہ آپؐ نے باوجود علم کے کسی اہل قریہ کو حکم اقامتِ جمعہ کا دیا، اور نہ کسی کے عدمِ اقامت جمعہ پر اس کو سرزنش فرمائی، اور نہ استحباباً ارشاد فرمایا۔

پس یہ نص قطعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم تھے، جس سے آپ نے یہ شرطِ مصر ارشاد فرمائی، پس یہ موقوف موقوف اور اثرِ علی نہیں ہے، بلکہ مرفوع ہے اعلیٰ درجہ کا[1]، اور یہ بات اہل علم پر تو ظاہر ہے ہی؛ مگر بعد اس تقریر کے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی نافہم بلید بھی اس کا انکار نہ کرے گا۔

باقی رہا یہ کہ رفع اس اثر کا ضعیف ہے بحسبِ سند؛ سو یہ ضعف منجبر ہوگیا، دوسری حدیث مرفوع ہے[2]۔ اور جب دوسری احادیثِ صحاح سے یہ ضعف منجبر ہوگیا تو اثر

---

(۱) جیسا کہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

من المرفوع ایضا ماجاء عن الصحابی ومثله لایقال من قبل الرأی ، ولا مجال للاجتهاد فیه، فیحمل علی السماع، جزم به الرازی فی المحصول ، وغیر واحد من ائمة الحدیث . تدریب الراوی:۱/ ۹۸-۹۹ (قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) عن جابر بن عبد اللّٰه (فی حدیث طویل فی حجة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:) فأجاز رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حتی أتی عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة، فنزل بها حتی اذا زاغت الشمس أمر بالقصواء، فرحلت له فأتی بطن الوادی، فخطب الناس (الی ان قال:) ثم أذن ، ثم أقام فصلی الظهر، ثم أقام فصلی العصر ولم یصل بینهما شیئاً. (مسلم شریف:۱/ ۳۹۷، باب حجة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (رشیدیہ دہلی)

۱۔علامہ نیموی فرماتے ہیں:

وکان ذٰلك یوم الجمعة. آثار السنن:ص۲۵۶، باب لاجمعة الا فی مصر جامع (مدنیہ دیوبند)

۲۔امام بیہقی فرماتے ہیں:

قد روینا عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم : انه یوم عرفة ، جمع بین الظهر والعصر ثم راح الی الموقف وکان ذٰلك یوم الجمعة. معرفۃ السنن والآثار:۴/۳۲۴۔

۳۔علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

امر بلالا فأذن ثم أقام الصلاة ، فصلی الظهر رکعتین أسر فیهما بالقرأة وکان یوم الجمعة زاد المعاد:۲/۲۴۴ (دار الکتب العلمیہ بیروت)

مذکور ضعیف نہیں رہا، بلکہ حسن ہوگیا[1]۔ پس ایسی حدیث حکماً مرفوع کو ضعیف کہنا، جس

---

(۱) والضعیف ان تعدد طرقه وانجبر ضعفه یسمی حسنا لغیره مقدمہ شیخ عبدالحق علی المشکوٰۃ، ص:۶ (رشیدیہ دہلی)

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

وقد قال النووی رحمه اللّٰه فی بعض الأحادیث : وهٰذه وان کانت اسانید مفرداتها ضعیفه فمجموعها یقوی بعضه بعضا ، ویصیر الحدیث حسنا ویحتج به ، وسبقه البیهقی فی تقویة الحدیث بکثرة الطرق الضعیفة . (فتح المغیث :۱/۸۰)

—— القسم الثانی: الحسن —— (ادارة البحوث الاسلامیة جامعه سلفیه بنارس)

امام بیہقی فرماتے ہیں:

ونحن انما لا نقول بالمنقطع اذا کان مفردا، فإذا انضم الیه غیره، او انضم الیه قول بعض الصحابة، او ما یتاکد به المراسیل ولم یعارضه ما هو اقویٰ منه فإنا نقول به . (معرفۃ السنن:۱۰/ ۱۲۸)

ابوالحسن بن القطان فرماتے ہیں:

هٰذا القسم لا یحتج به کله، بل یعمل به فی فضائل الاعمال، ویتوقف عن العمل به فی الاحکام، الا إذا کثرت طرقه ، او عضده اتصال عمل، او موافقة شاهد صحیح، او ظاهر القرآن . (فتح المغیث:۱/۸۰)

امام بیہقی یومِ عاشوراء میں توسع والی حدیث کی اسانید کے بارے میں فرماتے ہیں:

هٰذه الاسانید وان کانت ضعیفة ، فهی إذا ضم بعضها الی بعض اخذت قوة . (الترغیب والترہیب:ص۲۰۰)

حافظ ابن حجر کے بارے میں علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

وصرح فی موضع آخر بان الضعیف الذی ضعفه ناشئ عن سوء حفظه اذا کثرت طرقه ارتقی الی مرتبة الحسن . (فتح المغیث:۱/۸۰-۸۱)

تقریب میں تفصیل ہے:

إذا روی الحدیث من وجوه ضعیفة لا یلزم ان یحصل من مجموعها حسن ، بل ما کان ضعفه لضعف حفظ راویه الصدوق الامین زال بمجیئه من وجه آخر وصار حسنا، وکذا إذا کان ضعفها لإرسال زال بمجیئه من وجه آخر – واما الضعف لفسق الراوی فلا یؤثر فیه موافقة غیره .
تقریب النواوی مع تدریب الراوی: ۱/ ۹۰ – النوع الثانی: الحسن. (قدیمی کتب خانہ کراچی)

آخری جملہ واما الضعف الخ کی شرح کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

(واما الضعف لفسق الراوی) او کذبه (فلا یؤثر فیه موافقة غیره) له اذا کان الآخر مثله، لقوة الضعف وتقاعد هٰذا الجابر؛ نعم یرتقی بمجموع طرقه عن کونه منکرا او لا أصل له، صرح به شیخ الاسلام ، قال: بل ربما کثرت الطرق حتی اوصلته الی درجة المستور السیئ الحفظ، بحیث إذا وجد له طریق آخر فیه ضعف قریب محتمل ارتقی بمجموع ذٰلك إلی درجة الحسن . (تدریب الراوی:۱/۹۰ — النوع الثانی: الحسن —(قدیمی کتب خانہ کراچی)

کی تائید دوسری احادیثِ صحاح کر رہی ہیں، خلاف قاعدہ مقررۂ اہلِ اصول ہے۔ اب اس اثر کو ضعیف کہنا اہل علم کی شان نہیں ہے۔ اور ثبوتِ شرطیتِ مصر واسطے اقامت جمعہ کے صرف اسی اثر سے کافی ہے، چہ جائیکہ اور بھی بہت سی احادیثِ صحاح اس کی مؤید موجود ہوں[1]۔

---

(۱) عن عائشة زوج النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم قالت: کان الناس یتنابون الجمعة من منازلهم والعوالی ، بخاری شریف:۱/۱۲۳(رشیدیہ دہلی)

عن أبی البختری قال: رأیت أنساً ﷺ شهد الجمعةَ من الزاویة وهی فرسخان من البصرة . (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۲)

عن حذیفة ﷺ قال: لیس علی أهل القُریٰ جمعة، إنما الجمع علی أهل الأمصار مثل المدائن (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۱)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

قد کان سعید بن زید ﷺ وأبو هریرة ﷺ یکونان بالشجرة علی أقلّ من ستة أمیال ، فیشهدان الجمعة ویدعانها وقد کان یروی أنّ أحدهما کأن یکون بالعقیق فیترك الجمعة ویشهدها، ویُروی أن عبد اللّٰه ﷺ بن عمرو بن العاص کان علی میلین من الطائف فیشهد الجمعة ویدعها.
(کتاب الام:۱/۱۹۲)

عن هشام عن الحسنؒ ومحمدؒ أنهما قالا: الجمعة فی الأمصار (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۱)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

عن أبی بکر بن محمّد أنه أرسل إلی ذی الحلیفة أن لا تجمعوا بها وأن تدخلوا إلی المسجد مسجد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم . (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۱)

عن إبراهیم قال: کانوا لا یجمعون فی العساکر (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۱)

عن أبي عبد الرحمٰن قال، قال علی ﷺ: لا جمعةَ ولا تشریقَ ولا صلاة فطر ولا أضحی إلاّ في مصر جامع أو مدینة عظیمة . (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۰۱)

اس حدیث کی سند کے بارے میں صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں:

طریق جریر عن منصور فإنه سند صحیح (إلی أن قال) : علی أنّ أبا زید زعم فی الأسرار: أنّ محمّد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ وسراقة بن مالك ، رضی اللّٰه عنهما — اهـ

قلت: وکذا قال الإمام أبوبکر الجصاص فی أحکامه: رُوی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: ”لا جمعة ولا تشریق إلاّ فی مصر جامع“ وروی عن علیّ مثله اهـ (۳/۴۴۵)

لکن المرفوع لا یثبته المحدثون؛ فإن صح عن محمد بن الحسن ما زعمه أبو زید فی الأسرار کان حجة لنا کافیة فإن مُحمّداً إمام مجتهد وقوله حجّة، وکذا إن صح ما ذکره خواهر زاده أن ابایوسفؒ رواه فی ”الإملاء“ مرفوعاً مسنداً کما هو الظاهر علی أنّ الموقوف فی مثله مرفوع حکماً لکونه خلاف القیاس المستمر فی الصلوات فإنها لا تختص بمکان دون مکان . اعلاء السنن:۶/۴۰ (دار الکتب العلمیہ بیروت)

هٰذا ما ظهر لی الآن ، بتوفیق الملك المنان ، وللّٰه الحمد علی التمام . وصلی اللّٰه علی سیدنا محمد سید الانام ، وعلٰی آله وصحبه الکرام ، وتابعیه البررة العظام ، صلٰوة وسلاماً متوالیین الٰی قیام القیام .

کتبه
الاحقر الراجی رحمة ربه الصمد
عبده المدعو برشید احمد
عفی اللّٰه تعالٰی عنه ماجناه
واصله وغایته ما یتمناه .
رشید احمد

مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

کتاب	مصنف
شیخ الہندؒ حیات اور کارنامے	حضرت مولانا اسیرادروی صاحب
خیرالقرون کی درسگاہیں	
اوران کا نظام تعلیم وتربیت	حضرت مولانا قاضی اطہرصاحب مبارکپوریؒ
خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات	حضرت مولانا قاضی اطہرصاحب مبارکپوریؒ
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے	جناب مولانا اسیر اَدروی صاحب
تقریر دل پذیر (جدید محقق نسخہ)	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
تذکرۃ النعمان (جدید اڈیشن)	جناب مولانا عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنی
آئینۂ حقیقت نما (مع تحقیق وتخریج)	جناب مولانا اکبرشاہ خاں صاحب نجیب آبادیؒ
بحوث فی الدعوة والفکر الاسلامی (عربی)	حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ
لآلی منثورۃ (عربی)	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
العقل والنقل (عربی)	حضرت علامہ شبیراحمد صاحب عثمانیؒ
زکوٰۃ کے مسئلے (ہندی)	مولانا محمد رفعت قاسمی
ادلہ کاملہ مع تسہیل وتشریح (اردو)	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
ائمہ اربعہ (اردو)	حضرت مولانا قاضی اطہرصاحب مبارکپوریؒ
تدوین سیرومغازی (اردو)	حضرت مولانا قاضی اطہرصاحب مبارکپوریؒ
ایضاح الادلہ مع تسہیل (اردو)	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
شوریٰ کی شرعی حیثیت (اردو)	جناب مولانا ریاست علی صاحب بجنوری
اجودھیا کے اسلامی آثار (اردو)	جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
تفہیم القرآن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ	جناب مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب قاسمی
طائفہ منصورہ	جناب مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب

کتاب	مصنف
الحالة التعليمية	حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
اشاعت اسلام (جدید محقق نسخہ)	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
مسلمانوں کے ہرطبقہ اور ہرپیشہ میں علم وعلما	حضرت مولانا قاضی اطہرصاحب مبارکپوریؒ
الاسلام	حضرت علامہ شبیراحمد صاحب عثمانیؒ
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حیات اور کارنامے	جناب مولانا اسیر اَدروی
علماء دیوبند اتجاههم الدنی	
ومزاجهم المسلكي	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ
علماء دیوبند وخدماتهم فی الحدیث	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ
دارالعلوم دیوبند	الشیخ المفتی عبیداللہ الاسعدی
عہدرسالت	مولانا نظام الدین اسیر اَدروی
مجموعہ ہفت مسائل	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
بریلویت طلسم فریب یا حقیقت	ڈاکٹر ابوعدنان سہیل صاحب

مطبوعات مکتبہ دارالعلوم دیوبند

کتاب	مصنف
المنارالانوار	الشیخ عبداللہ احمد
انتصار الاسلام	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
اسرائیل	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
اسلامی عقائد اور سائنس	مولانا عزیز احمد صاحب قاسمیؒ، بی، اے
تاریخ دارالعلوم اردو دوجلد اہتمام	مولانا سید محبوب صاحب رضویؒ
تاریخ دارالعلوم انگریزی دوجلد	مولانا سید محبوب صاحب رضویؒ
حجۃ الاسلام	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
دیوان منتخب مع الحواشی	الشیخ اعزاز علی الامروہویؒ

دیوانِ حماسہ باب الادب	الشیخ اعزاز علی الامروہویؒ
دارالعلوم کا فتویٰ اور اس کی حقیقت	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
فتاویٰ دارالعلوم مکمل سیٹ ۱۲ جلدیں مجلد، غیر مجلد	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
تسہیل الاصول	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری
قرآن محکم	حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی سابق رکن شوری دارالعلوم دیوبند
مبادئ فلسفہ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
مفتاح العربیہ مکمل (اول دوم)	حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینی
مخطوطات مکمل (اول دوم)	حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب
مودودی مذہب	مولانا عزیز احمد صاحبؒ بی اے
مکتوباتِ ہدایت	حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ
ایمان وعمل	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
براہین قاسمیہ	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
حکمت قاسمیہ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب
درمنثور مکمل	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ
علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب
قبلہ نما	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
مکتوباتِ ثلاثہ	حکیم عبدالرشیدؒ صاحب وقاری محمد طیبؒ صاحب
نظریہ دو قرآن پر ایک نظر	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب
نیک بیبیاں نماز کہاں پڑھیں	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ
قرآنی پیشین گوئیاں	جناب مولانا سید عبدالرؤف صاحب (عالی)